سقراط کی آخری تقریر

(مترجمہ جناب مولانا محمد عنایت اللہ صاحب بی اے دہلوی)

تمہید

یونان قدیم کی اعلیٰ ترین رُوحانی زندگی کی کیفیت افلاطون نے اپنی تصانیف میں حکیم سقراط کے حالات لکھ کر ہمارے لئے زندہ کر رکھی ہے۔

خود افلاطون حکمت وفلسفہ کا زبردست عالم تھا۔ گو طبیعت شاعرانہ پائی تھی۔ سقراط جس بلندیٔ خیال پر پہنچنا چاہتا تھا اُسے افلاطون خوب سمجھتا تھا۔ اور خود بھی وہیں پہنچنا چاہتا تھا۔ چنانچہ افلاطون نے مکالمات کی صورت میں کسی قدر تمثیلی رنگ بھر کر سقراط کے ذاتی حالات اور اس کے فلسفیانہ افکار قلمبند کئے ہیں۔ سقراط نے خود کبھی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مگر اس کی عقل و دانش کے مقولے یونان کے دو بڑے بزرگوں یعنی افلاطون اور زنوفن نے سقراط کی دوستی سے قوت پا کر تحریر کئے ہیں۔

سقراط بیٹا تھا ایک شخص سفرانقس نامی کا جو ایتھنز میں بت تراشی کا پیشہ رکھتا تھا۔ ایتھنز سے باہر مگر شہر سے بالکل پاس ایک مقام پر ۴۶۸ برس قبل ولادت مسیح علیہ السلام وہ پیدا ہوا تھا۔ جسے آج دو ہزار چار سو سات برس گذر چکے ہیں۔ اپنے شہر ایتھنز سے سقراط کو عشق تھا۔ جوانی میں اس کے لئے لڑائیاں بھی لڑ چکا تھا۔ زندگی کا مطالعہ اس طرح کرتا تھا کہ لوگوں سے اتحاد و اشتراک رکھ کر اُن سے گفتگو کرتا۔ سیاسی قضیوں سے دور رہتا۔ کیونکہ اس نے اپنی زندگی کو اس بات کے لئے وقف کر دیا تھا کہ وہ قوائے انسانی کو اس جنگ اور کشمکش کے لئے آمادہ کر دے جس کا مدعا اس زندگی سے جو چاروں طرف نظر آتی ہے کہیں بڑھ کر زندگی تک پہنچانے کا ہو۔ کسی مکتب یا مدرسے میں بیٹھ کر پڑھاتا نہ تھا۔ لوگوں کے گھروں کارخانوں، اکھاڑوں یا بازاروں میں جہاں کہیں کسی جوان یا بڈھے سے ملتا اس سے گفتگو کر کے اس کے خیالات کو بلند کرنا چاہتا۔ اور ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ کوشش ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ جس سے بات کرے اُسے اپنے قلب کی طرف براہ راست نظر دوڑانے پر مجبور کرے۔ اور جس بات کو وہ شخص سمجھتا ہے کہ وہ جانتا ہے اُسے واقعی صاف اور روشن طریقے پر سمجھے کہ واقعی وہ کیا چیز ہے۔ اور اس طرح لوگ اعلیٰ مطمح نظر تک پہنچ جائیں۔ گویا غلامی سے بادشاہی تک پہنچ جائیں۔

سقراط عامۃ الناس کی سمجھ اور عقل کا قائل نہ تھا۔ جن سے ملتا اُنھیں نصیحت کرتا کہ حکومت نے جن بتوں کو پوجنے کا حکم دیا ہے اُنھیں پوجو۔ مگر اصلی مقصد اس کی روحانی تعلیم کا یہ تھا کہ وہ لوگوں کو سبب اول یا علت العلل کو سمجھنے کی طرف مائل اور راغب کرے جو سب میں خالق اور جلیل القدر ہے۔ اور ایسی لایعنی علامتوں سے جیسے کہ بُت یا پتھر ہیں اُن کی توجہ کو ہٹا کر اس حق کی طرف رجوع کرے جو ان پتھروں اور بتوں میں پنہاں ہے۔ جب شہر میں اُس کی ان باتوں کا چرچا ہوا تو ارباب سیاست اور مندروں کے پروہتوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھی۔ آخر کار مجلس جمہوریں اس پر مقدمہ چلوا دیا۔ چنانچہ چھ آدمیوں کی کثرت رائے سے سقراط پر یہ الزام ثابت ہو گیا کہ وہ بدعت کا حامی اور اس کی تعلیم دینے والا ہے۔ اب سقراط نے اس سخت حکم کو دفع کرنے کے بجائے اپنے فعل وعمل کو بالکل درست اور جائز بتانا شروع کیا۔ اس پر جمہوریہ کو اور غصہ چڑھا۔ اور اب اُنھوں نے اسّی ارکان کی کثرت رائے سے اس سزائے موت کا حکم سُنا دیا۔ اس حکم کو سُن کر

سقراط نے کہا۔ چونکہ الزام سے بریت کے لئے میں نے ایمان داری سے کام لیا ہے اس لئے وہ اپنا مرجانا اس سے بہتر سمجھتا ہے کہ حکم سزا کو مسترد کرانے کے لئے وہ عفو اور رحم کی درخواست کرے۔

اس حکم کے بعد تیس ۳۰ دن تک سقراط قید خانے میں رہا۔ اور اس زمانے میں جو لوگ قید خانے میں اُس سے ملنے آتے تھے اُن سے بے تکلف بات چیت کرتا رہا۔ موت کے حکم کے بعد کیوں سزا فوراً نہ دی گئی۔ اس کی خاص وجہ تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ ہر سال تھیورس کا مقدس جہاز ڈیلوس کے مندر کو نیاز نذر کی چیزیں لیجایا کرتا تھا۔ جب تک کہ جہاز واپس نہ آجاتا، ایتھنز میں کسی مجرم کو سزائے موت نہ دی جاتی۔ غرض یہ زمانہ ایسا ہی تھا کہ ڈیلوس سے جہاز ابھی تک واپس نہ آیا تھا۔

اب یہاں وہ مکالمہ آتا ہے جو سقراط نے اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں کیا تھا۔ یعنی سنہ ۳۹۹ ق۔م میں جب کہ اُس کی عمر ستر سال کی ہوچکی تھی۔

افلاطون جو اس مکالمے کا تحریر کرنے والا ہے سنہ ۴۳۰ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ سقراط کی موت کے وقت اس کی عمر ۳۱ برس کی تھی۔ افلاطون ایتھنز کے ایک معزز خاندان کا رکن تھا۔ خداداد ذہانت کے ساتھ تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی پائی تھی۔ بیس برس کی عمر تھی کہ سقراط کی شاگردی اختیار کرکے اس کا بڑا شیدا اور شیفتہ شاگرد ہوگیا۔ سقراط کے مرنے کے بعد وہ اور سقراط کے اور شاگرد حفاظت کے خیال سے ایتھنز چھوڑ کر میگارا میں جا بسے۔

قریطو جسے افلاطون اپنے استاد کے اس مکالمے میں لایا ہے جو ڈیلوس سے جہاز کی واپسی سے کچھ ہی پہلے ہوا تھا ایتھنز کا بڑا دولتمند باشندہ تھا۔ سقراط سے اسے بے حد تعلق تھا۔ خود قریطو نے بھی حکمت اور فلسفہ میں سترہ مکالمے لکھے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ سب ضائع ہوگئے۔ قریطو اپنی دولت ہمیشہ اچھے کاموں میں صرف کرتا تھا۔ سقراط کو اس نے فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا۔ اور استاد کی جان بچانے کے لئے اُس کے قید خانے سے بھاگنے کا پورا انتظام کرلیا تھا جیسا کہ افلاطون کے اس مکالمے میں بیان آئے گا۔ افلاطون نے اس مکالمے کے دو نام رکھے تھے۔ ایک قریطو۔ اور دوسرا "ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

قریطو کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سیموئیل جانسن (۱۷۰۹ء تا ۱۷۸۴ء) کے انتقال کے ایک سال بعد شائع ہوا تھا۔ اور اسی کا اُردو ترجمہ آج آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

قریطو
یا
ہمیں کیا کرنا چاہیئے

حکیم سقراط۔ قریطو

(مقام قید خانہ)

سقراط۔ کیوں۔ ایسی جلدی پھر کیوں چلے آئے؟ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تو بہت سویرا ہے۔

قریطو۔ جی ہاں۔

سقراط۔ بھلا کیا وقت ہوگا؟

قریطو۔ دن نکلنے کو ہے۔

سقراط۔ تعجب ہے کہ داروغہ جیل نے تمھیں کیسے اندر آنے دیا؟

قریطو۔ وہ میرا جان پہچان ہے۔ اس کے پاس میرا اکثر آنا جانا

رہتا ہے۔ اور میرا کسی قدر اس پر احسان بھی ہے۔

سقراط:۔ کیا تم ابھی آئے ہو۔ یا آئے ہوئے دیر ہوئی؟

قریطو:۔ جی میں کچھ دیر سے آیا ہوا ہوں۔

سقراط:۔ آتے ہی تم نے مجھے جگا کیوں نہ لیا؟

قریطو:۔ توبہ۔ توبہ! بھلا مجھ سے ایسا ہو سکتا تھا! میں خود تو ایسے صدموں اور غموں کو دُور بھی کر سکتا ہوں جو میری آنکھ جھپکنے دیں۔ لیکن جب میں اس کمرے میں آیا تو آپ غافل سو رہے تھے۔ جگانے کی ہمت نہ ہوئی کہ تھوڑی دیر کو تو آپ نے آرام کیا ہے۔ اُس میں بھی خلل ڈالوں۔ اصل یہ ہے کہ جب سے مجھے آپ سے نیاز حاصل ہوا ہے مجھے آپ کے صبر و استقلال اور طمانیت خاطر پر ہمیشہ حیرت ہوئی ہے۔ بالخصوص موجودہ حالت میں تو یہ حیرت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ باوجود اس کے آپ کی نظروں سے ایک آسودگی اور اطمینان ظاہر ہو رہا ہے۔

سقراط:۔ ہاں۔ واقعہ یہی ہے۔ قریطو۔ مجھ جیسی عمر کے آدمی کے لئے موت سے ڈرنا بہت ہی نامعقول بات ہوگی۔

قریطو:۔ بجا ہے۔ مگر کتنے آدمی ہیں جنھیں روزانہ ہم اسی مصیبت میں دیکھتے ہیں۔ لیکن بڑھاپا موت سے ان کا خوف دُور نہیں کرتا

سقراط:۔ یہ سچ ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اتنے سویرے تمھارے یہاں آنے کی وجہ کیا ہوئی؟

قریطو:۔ میں آپ کو ایک نہایت ہی پریشان کرنے والی خبر سُنانے آیا ہوں۔ گو اس کا اثر آپ پر کچھ نہ ہوگا۔ لیکن ہمیں اور آپ کے اعزا و احباب کو اتنا صدمہ اور رنج ہے کہ وہ حقیقت میں ناقابل برداشت ہے۔ خلاصہ یہ کہ میں آپ کو ایک ایسی وحشتناک خبر سناتا ہوں جس سے زیادہ وحشتناک خبر سننی ممکن نہیں۔

سقراط:۔ وہ کیا خبر ہے۔ کیا ویلوس کے مندر سے وہ جہاز واپس آگیا ہے جس کی واپسی پر میں جان سے مارا جاؤں گا؟

قریطو:۔ ابھی یہاں آیا تو نہیں ہے۔ لیکن کچھ لوگ سونیم سے خبر لائے ہیں کہ وہ جہاز وہاں آگیا ہے۔ اور یہ لوگ اُسے وہیں چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس حساب سے جہاز آج یہاں کسی وقت آجائے گا۔ اور کل آپ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

سقراط:۔ اس میں بُرائی کیا ہے؟ جب خدا کی مرضی یہی ہے تو ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ جہاز آج یہاں پہنچ جائے گا۔

قریطو:۔ یہ رائے آپ نے کس قیاس پر قائم کی ہے؟

سقراط:۔ مجھے یہی کہنا ہے کہ جہاز کے آنے کے دوسرے دن تک میں نہیں مارا جاؤں گا۔

قریطو:۔ کم سے کم جو لوگ آپ کی جان لینے کے لئے مقرر ہوئے ہیں ان کا تو یہی خیال ہے۔

سقراط:۔ وہ جہاز یہاں کل تک تو آئے گا نہیں۔ یہ حال مجھے ایک خواب سے معلوم ہوا ہے جو میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ تم نے آتے ہی مجھے جگایا نہیں۔

قریطو:۔ فرمائیں کہ وہ خواب کیا تھا جو آپ نے دیکھا ہے۔

سقراط:۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی قبول صورت عورت میرے نزدیک آئی ہے۔ اور میرا نام لے کر کہتی ہے کہ "آج سے تین دن کے اندر تم فتھیا میں ہوگے۔

قریطو:۔ بلاشبہ ہوگا یہی۔ مگر اس وقت تو میری گذارش ہے کہ آپ یہاں سے بھاگ چلیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے اگر آپ دنیا سے چل بسے تو علاوہ اس نقصان کے کہ ایک دوست سے محروم ہو کر اس کو یاد کر کے میں ہمیشہ رویا کروں گا مجھے اس بات کا فکر ہے کہ بہت لوگ جو نہ آپ سے واقف ہیں اور نہ مجھے جانتے ہیں، اس بات کا یقین کریں گے کہ ایسی سخت حالت میں میں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آپ کو قید خانے سے نکال لیجانے میں میں نے اپنی دولت سے جبکہ یہ بات میری قدرت میں تھی کچھ کام نہ لیا۔ میری بدنامی کے لئے اس سے زیادہ اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ میں نے روپے کا پاس کیا۔ اور اپنے دوست کا پاس نہ کیا۔ کیونکہ لوگوں کو اس کا یقین نہ آئے گا کہ یہ آپ تھے جنھوں نے یا وجود ہمارے اصرار کے قید خانے سے بھاگنا منظور نہ کیا۔

سقراط:۔ میرے عزیز قریطو۔ تمھیں لوگوں کے کہنے اور ان کی رائے کا اتنا خیال کیوں ہوا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ لوگوں میں ہم صرف ایسے آدمیوں کے کہنے کا خیال کریں کہ جو عقل اور سمجھ اور کل واقعہ کا اس کی اصلی شکل میں علم بھی رکھتے ہیں۔

قریطو:۔ لیکن جناب والا اس کا بھی تو لحاظ کریں کہ عوام الناس کے شور اور غوغا کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ خود جناب کی مثال ایسی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عوام کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ نقصان

پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور اُن لوگوں پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنا غصہ اُتار سکتے ہیں جن کے بارے میں وہ اپنی رائے خلاف دے چکے ہوں۔

سقراط:۔ مجھے علم ہے کہ عوام زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر نقصان پہنچانے کی قابلیت ان میں سب سے زیادہ ہے تو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے پر بھی وہ قادر ہیں۔ لیکن جو بات سب سے زیادہ مسرت کی ہے وہ یہ ہے کہ نہ اُن سے یہ ممکن ہے نہ وہ۔ کیونکہ وہ آدمیوں کو نہ عقلمند بنا سکتے ہیں نہ بے وقوف۔

قریطو:۔ جو کچھ آپ نے فرمایا۔ میں اُسے تسلیم کرتا ہوں لیکن میری ایک بات کا آپ جواب دیں۔ وہ یہ کہ کیا یہ میری یا دوستوں کی محبت ہے کہ آپ یہاں سے قدم باہر نکالنا نہیں چاہتے۔ یا خوف ہے کہ آپ کے یہاں سے بھاگ جانے پر ہم کسی آفت میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہم پر یہ الزام عائد ہو گا کہ ہم آپ کو قید خانے سے نکال لے گئے۔ اور اس جرم کی سزا میں ہمارا مال و متاع سب ضبط سرکار ہو جائے گا۔ یا کوئی بھاری رقم جرمانے کی ہمیں بھگتنی ہو گی۔ یا کوئی اور سزا ہمیں دی جائے گی۔ اگر آپ کے دل میں ایسا کوئی خوف ہے تو میں ارباب فلک کی قسم دلا کر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ایسے خوف کو دل سے دور کر دیں۔ کیا خطروں میں پڑ کر اور اگر موقع ہوا تو شدید خطروں میں پڑ کر بھی آزادی حاصل کر لینی عقل کی بات نہ ہو گی۔ میرے اچھے سقراط۔ میں ایک مرتبہ اور نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ آپ میری بات کا یقین کریں۔ اور ہمارے ساتھ یہاں سے نکل چلیں۔

سقراط:۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اس قسم کے خیالات اور ان کے علاوہ اور چند باتیں میرے ذہن میں بھی آئی تھیں۔

قریطو:۔ میں آپ سے بمنت عرض کرتا ہوں کہ آپ کسی بات سے نہ ڈریں۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی رہائی کے لئے جو رقم طلب کی گئی ہے وہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ علاوہ اس کے آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ ہمیں گرفتار کرنا چاہیں گے وہ کیسی ذلیل اور خوار حالت میں ہیں۔ بہت تھوڑا سا روپیہ دے کر اُن کا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔ میرے پاس اتنا روپیہ ہے کہ یہ کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اگر مجھ سے اس کام کے لئے آپ کو روپیہ لینے میں عار ہو تو بہت سے باہر کے لوگ یہاں ایسے آئے ہوئے ہیں جو خوشی سے آپ کو حسب ضرورت روپیہ دینے کو تیار ہیں۔ اور وہ اسے اپنے حق میں بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تھیبی کا رہنے والا سیمیاس بھاری رقمیں ساتھ لئے یہاں اسی غرض سے آیا ہے۔ اسی طرح قابیس اور اور چند لوگ یہاں چلے آئے ہیں۔ اس لئے کسی طرح کا خوف یہاں سے فرار ہونے میں آپ کا مانع نہ ہونا چاہیئے۔ اور جیسا کہ آپ نے اس دن عدالت میں مجھ سے کہا تھا کہ اگر آپ یہاں سے فرار بھی ہو گئے تو آپ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ پھر آپ کی وجہ معاش کیا ہو گی۔ اس کا آپ مطلق فکر نہ کریں آپ جہاں کہیں بھی ہوں گے لوگ آپ سے ادب اور محبت سے پیش آئیں گے۔ اگر آپ نے تھسلی کے علاقہ میں جانا چاہا تو وہاں میرے دوست احباب ایسے موجود ہیں جو آپ کا وہی ادب و احترام کریں گے جس کے آپ مستحق ہیں۔ اور آپ کی تمام ضروریات مہیا کرنے میں دل سے خوش ہوں گے۔ اور اپنے وطن میں آپ کو تمام خطروں سے پناہ میں رکھیں گے۔ اور آپ کو کسی طرح کا خوف پیدا نہ ہونے دیں گے۔ لیکن جناب والا اگر آپ نے اپنے تئیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ جس صورت میں یہاں سے فرار ہونا آپ کی قدرت میں ہے تو اس میں آپ بڑی بے انصافی کریں گے۔ اور گویا اپنے دشمنوں کی خواہشوں کو پورا کرنے میں مدد کریں گے۔ اس میں آپ نہ صرف اپنے ساتھ بے وفائی کریں گے۔ بلکہ اپنے بچوں کے ساتھ بھی ان کو اپنے حال میں چھوڑ کر بدسلوکی کریں گے در حالیکہ آپ ان کی پرورش اور تعلیم کا بخوبی انتظام کر سکتے تھے۔ آپ کو اس وقت اُن کی مطلق پروا نہیں ہے کہ اس کے بعد ان پر کیا گذرے گی۔ اُن کی حالت اس کے بعد نہایت مفلس اور تنگدست یتیموں کی سی ہو جائے گی۔ انسان یا تو اولاد نہ رکھے اور اگر رکھے تو اس کی تربیت اور پرورش کی تکلیف برداشت کرے۔ مجھے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ جیسا بے پروا اور ناعاقبت اندیش دوسرا دنیا میں نہ نکلے گا۔ حالانکہ آپ کا مقصد اور ارادہ صرف ایک فیاض طبیعت کا سا ہونا چاہیئے تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ کی عمر کا کوئی دن ایسا نہیں تھا جس میں نیکی پہ عمل کرنے پر آپ نے فخر نہ کیا ہو۔ جناب والا۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ میں آپ کی اور آپ کے عزیزوں کی وجہ سے سخت محجوب و شرمندہ ہوں۔ کیونکہ دنیا یہی یقین کرے گی کہ یہ ہماری پست ہمتی اور بزدلی تھی کہ آپ قید خانے سے فرار نہ ہو سکے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ آپ پر الزام لگائیں گے کہ آپ نے خود اپنے اوپر مقدمہ

اپنی صفائی میں بیان دینے کو کیوں تیار ہو گئے؟ اور آخری بات جو سب سے زیادہ شرم اور ندامت کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا ہم سب پر لعنت کرے گی کہ خوف اور پست ہمتی کی وجہ سے ہم نے آپ سے پہلو تہی کی۔ اور آپ کو قید خانے سے نکلنے نہ دیا۔ لہٰذا جناب والا غور فرمائیں کہ اگر آپ نے خود اس مصیبت کو نہ روکا جو آنے والی ہے تو آپ کو اس ذلت اور شرمندگی سے حصہ لینا ہوگا جو ہم سب کو اُٹھانی پڑے گی۔ پس جناب جلد اس بات پر غور فرمائیں اور میرا خیال ہے کہ آپ کے سمجھانے کے لئے وقت اب بہت تنگ ہے۔ اب زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں ہے۔ جو کچھ کرنا ہے جلد کیا جائے۔

سقراط:۔ میرے نہایت عزیز قریطو۔ تمھارا یہ نیک ارادہ نہایت قابلِ تعریف اس وقت ہوتا جب کہ وہ عقل کے مطابق ہوتا۔ لیکن اگر عقل سے اُس نے تجاوز کیا ہے تو میرا تمھارا قصد جس قدر قوی ہے اُسی قدر قابلِ الزام ٹھیرتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے میرا یہی طریقہ رہا ہے کہ بہت غور و خوض کے بعد جو کچھ عقل مجھے بتاتی ہے اس کا پابند ہو اکرتا ہوں۔ گو اس وقت تقدیر مجھے غضب کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے لیکن میں کبھی اپنے اصول سے جس پر میرا ہمیشہ عمل رہا ہے تجاوز نہ کروں گا۔ یہ اصول ہمیشہ ایک ہی سے رہتے ہیں۔ اور میں ہمیشہ ایک ہی طریقہ پر ان کا پابند رہا ہوں۔ پس جو کچھ تم کہتے ہو اگر اس کے لئے قوی سے قوی دلیل تمھارے پاس موجود نہیں ہے تو یقین مانو کہ میں کبھی تمھارا کہنا نہ کروں گا۔ اس میں چاہے عوام الناس کی کل مجموعی قوت بھی میرے خلاف اپنا عمل کرے یا نہ کرے۔ یا وہ مجھے ایک بچے کی طرح ڈراوے اور دھمکاوے دے۔ اور میری ان ہتھکڑیوں اور بیڑیوں پر اور زیادہ اضافہ کرے۔ اور مجھے اس بات کا ڈراوا دے کہ زیادہ سے زیادہ بھلائی کرنے سے وہ مجھے روک دیں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ اذیت کے طریقوں سے جان نکالنے پر وہ مجھے مجبور کریں گے۔

قریطو:۔ تو پھر ہم اس مسئلے کو کس طرح انصاف اور راستی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں؟

سقراط:۔ یقینی بہتر سے بہتر طریقہ یہ ہوگا۔ کہ جو کچھ جمہور کی رائے تم نے بیان کی ہے اس پر پھر غور کیا جائے۔ اور دیکھیں کہ اُن میں کتنے آدمی ایسے ہیں جن کے کہنے کا خیال کیا جائے۔ اور کتنے ایسے ہیں جن کے کہنے کی مطلق پروا نہ کی جائے۔ اور سمجھا جائے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں محض نادان بچوں کی سی باتیں ہیں۔ اس موقع پر میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تمہارے سامنے میں جو کچھ تم کہتے ہو، اس کے ماننے نہ ماننے کو اس تعلق سے تحقیق کروں کہ جو اصول میرا ہے وہ اسی شکل و صورت میں ہے جو موجودہ حالت سے پہلے میں رکھتا تھا۔ یا اس میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ کہ تمھاری بات ماننے یا نہ ماننے کے لئے وہ ہمیشہ ایک ہی سا رہا ہے۔

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ امر یقینی ہے کہ بعض لوگ جو اپنے کو صاحبِ عقل سمجھتے ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ لوگوں کی جتنی رائیں ہوتی ہیں اُن میں بعض قابلِ توجہ ہوتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا مطلق خیال نہ کرنا چاہئے۔ قریطو! میں تمہیں تمام بتوں کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے نزدیک یہ قول معقول نہیں ہے۔ جہاں تک حالات ظاہر کرتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ کل جو جان سے مارا جائے گا وہ تم نہ ہوگے۔ اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت کا خوف تم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ بس۔ اس بات پہ اچھی طرح غور کر لو۔ کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ جن لوگوں کا قول ہے کہ تمام آدمیوں کی رایوں کا لحاظ ہمیشہ نہ کرنا چاہئے، اُن کا یہ کہنا انصاف پر مبنی نہ تھا۔ اس بارے میں تمھارا کیا کہنا ہے؟ کیا تم اس قول کو صحیح اور درست نہیں سمجھتے؟

قریطو:۔ بات بالکل سچی ہے۔

سقراط:۔ تو پھر ہمارا فرض بہرکیف یہ ہے کہ اچھی رایوں کی ہم قدر کریں۔ اور ناقص رایوں کی پرواہ نہ کریں۔

قریطو:۔ بلاشبہ بات صحیح یہی ہے۔

سقراط:۔ تو کیا اچھی رائیں عاقلوں کی اور بُری رائیں احمقوں کی نہیں ہوتیں؟

قریطو:۔ بالکل بجا ہے۔ بجز اس کے دوسری بات نہیں۔

سقراط:۔ اچھا۔ آؤ۔ دیکھیں تم اس کا کیا جواب دیتے ہو؟ ایک آدمی جو سبق کے وقت ورزش کرنے لگے تو اس کی اس حرکت کے متعلق جو شخص پہلے اس کے سامنے آئے اُس کی رائے کا خیال کیا جائے یا اس شخص کی رائے کا جو طبیب ہو یا اُستاد؟

قریطو:۔ بلاشبہ اُستاد کی رائے کا خیال کرنا چاہئے۔

سقراط:۔ پس لامحالہ اُسے ایک ہی شخص کے اعتراض سے خوف یا اس کی تعریف کی قدر کرنی چاہئے۔ اور دوسرے جو کچھ

کہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے۔

قریطو:۔ بلا شک۔

سقراط:۔ پس اسی وجہ سے اس نوجوان آدمی کو تاوقتیکہ استاد اجازت نہ دے نہ کچھ کھانا چاہیئے نہ پینا یا کوئی اور کام کرنا۔ یہ استاد صاحب عقل ہے۔ اور اس نوجوان کو دوسروں کی باتوں کی مطلق پرواہ نہ ہونی چاہیئے۔

قریطو:۔ بالکل بجا اور درست فرمایا۔

سقراط:۔ اچھا۔ یہاں تک جو کچھ میں نے کہا تم نے تسلیم کیا لیکن فرض کرو کہ وہ نوجوان اپنے استاد کا کہنا نہیں مانتا۔ اور نہ وہ استاد کے اعتراض یا تعریف کا کچھ خیال کرتا ہے۔ کم عقل جاہلوں کے گروہ کی خوشامد اور تعریف کا بالکل اندھا بن کر خیال کرتا ہے تو کیا اس وجہ سے کسی نہ کسی دن وہ سخت نقصان نہ اُٹھائے گا؟

قریطو:۔ بجز نقصان کے دوسری بات کیا ہو سکتی ہے۔

سقراط:۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ نقصان کس قسم کا ہوگا، جو اس نوجوان کو پہنچے گا۔ اور اس نوجوان کے کس حصے کو تکلیف پہنچائے گا؟

قریطو:۔ یقینی اس کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچے گی۔ اور اس طرح وہ نوجوان اپنے تئیں غارت و تباہ کرے گا۔

سقراط:۔ بہت درست۔ تو کیا اس مقدمہ میں بھی وہی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ یعنی یہ کہ انصاف یا عدم انصاف۔ دیانت، یا عدم دیانت کے معاملات میں جو اس وقت ہماری بحث کا موضوع ہیں ہمیں عوام الناس کی رائے کا پاس و لحاظ کرنا درست ہوگا یا بہ نظر انصاف اس عاقل اور تجربہ کار شخص کی رائے کا جو ہم سے باقی دنیا کے مقابلہ میں سب سے زیادہ عزت اور تکریم کا مستحق ہے اگر ہم اس عاقل اور تجربہ کار شخص کی رائے کا لحاظ نہ کریں گے تو پھر یقیناً اپنے تئیں تباہ و برباد کر لیں گے۔ اور وہ چیز جو حقیقت میں زندہ ہے اور عدل و انصاف سے قوت حاصل کرتی ہے۔ یا بے انصافی سے غارت اور فنا ہو جاتی ہے، ہاتھ سے کھو دیں گے یا پھر ہم ان باتوں کو کچھ سمجھیں ہی نہیں۔

قریطو:۔ میں جناب کی رائے سے متفق ہوں۔

سقراط:۔ پس میں التجا کرتا ہوں کہ جاہلوں کی بات کو ماننے سے پرہیز کرو۔ جاہلوں کی بات ماننے میں ہم اس چیز کو غارت کر دیتے ہیں جو تندرستی سے قائم ہوتی ہے اور بیماری سے زائل ہو جاتی ہے۔ کیا تم اس خرابی کے بعد خواہ اس میں ہمارا جسم ہو یا کوئی اور چیز ہو زندہ رہ سکتے ہیں؟

قریطو:۔ بجا ہے۔ یہ بات بالکل یقینی ہے۔

سقراط:۔ تو کیا اس خرابی اور جسم کے غارت ہو جانے کے بعد کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟

قریطو:۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

سقراط:۔ لیکن جو چیز صرف انصاف کی بنا پر قائم ہے وہ خرابی کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ لیکن بے انصافی سے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ تو پھر کیا وہ چیز (جو کچھ بھی وہ ہو) جس کی غرض و غایت انصاف یا بے انصافی ہو اس کی قدر جسم سے کم ہونی چاہیئے؟

قریطو:۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

سقراط:۔ تو کیا وہ چیز زیادہ قدر کے قابل ہے؟

قریطو:۔ بلاشبہ وہ چیز زیادہ قدر کے قابل ہے۔

سقراط:۔ تو پھر پیارے قریطو جو کچھ عوام کہیں تمہیں اس کا کچھ خیال نہ ہونا چاہیئے۔ خیال صرف اس شخص کی رائے کا ہونا چاہیئے جو جانتا ہے کہ انصاف کیا چیز ہے۔ اور عدم انصاف کیا ہے۔ اور حق وہی ہے جو کچھ وہ کہے۔ پس تم دیکھتے ہو کہ تم نے غلط اصول اس بارے میں قائم کئے تھے کہ عوام کی رائے میں کونسی بات انصاف کی ہے اور کونسی بات نیکی اور دیانت داری کی۔ اور کونسی باتیں ان کے متضاد ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس پر معترض ہوں کہ عوام کے اختیار میں انسان کی موت و زیست کیوں رکھی گئی ہے۔

قریطو:۔ اس اعتراض کا پیدا ہونا یقینی ہے۔

سقراط:۔ یہ اعتراض صحیح تو ہوگا۔ لیکن اس کے متعلق جو کچھ ہم نے ابھی تک کہا ہے اس میں فرق پیدا نہیں ہوتا۔ وہ بجائے خود قائم ہے کیونکہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی ہی نہیں۔ بلکہ نیک زندگی وہ چیز ہے جس کی آرزو رکھنی چاہیئے۔

قریطو:۔ یہ بالکل سچ ہے۔

سقراط:۔ لیکن یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ نیک زندگی کے لئے انصاف اور دیانت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

قریطو:۔ بالکل درست ہے۔

سقراط:۔ اچھا۔ اس بحث میں آگے کچھ کہنے سے پہلے مناسب ہے کہ جن اصول پر ہم متفق ہو گئے ہیں، اُن کو جانچیں اور معلوم کریں کہ بغیر اہل ایتھنز کی اجازت کے میرا یہاں سے چلا جانا قرین انصاف

ہوگا یا بے انصافی پر دلالت کرے گا۔ اگر معلوم ہوا کہ قرین انصاف ہے تو پھر اس کے لئے جہاں تک امکان میں ہو کوشش کرنی چاہئے لیکن اگر وہ انصاف کے خلاف ہوا تو پھر یہاں سے نکل جانے کی تدبیر سے کنارہ کرنا درست ہوگا۔ اور جو غور طلب امور تم نے ابھی بیان کئے تھے یعنی روپیہ۔ بدنامی۔ اولاد اور خاندان کی تباہی یہ کل امور کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ادنیٰ اور ذلیل عوام کے خیالات سمجھے جاسکتے ہیں جن کا کام بے گناہوں کو جان سے مارنا ہوتا ہے۔ اور کچھ دنوں اور اُن مردوں کو زندہ کرنے کی آرزو ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں اپنے خیالات کو دوسری طرف رجوع کرنے میں یہ دیکھنا ہے کہ روپیہ جو ہم اپنی فراری میں مدد حاصل کرنے کے لئے کسی کو دے کر اُس کے زیر بار احسان ہوتے ہیں تو اس میں ہم کوئی بات ایسی تو نہیں کرتے جو انصاف کے خلاف نکلے۔ اگر ایسا کرنا خلاف انصاف ہے تو پھر اس بات کو بحث سے خارج کر دینا چاہئے اور ہمیں صبر و شکر کے ساتھ جینا اور مرنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ اس سے بھی کوئی بدتر طریقہ موت کا اپنے لئے تجویز کرائیں۔

قریطو:۔ سقراط! آپ بجا فرماتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بحث میں آگے کیا آتا ہے۔

سقراط:۔ اب ہم دونوں اس بحث کو شروع کرتے ہیں۔ اگر اس میں کسی سوال کا آپ کو جواب طلب کرنا ہو تو جو کچھ مجھے کہنا ہے اس کو سننے کے بعد آپ مجھ سے دریافت کریں کہ میں جواب سے آپ کا اطمینان کروں۔ اگر ایسا ہو تو پھر مہربانی کر کے آپ اس بات پر اصرار نہ کریں کہ میں بغیر اہل ایتھنز کی اجازت کے یہاں سے فرار ہو جاؤں اگر آپ نے واقعی مجھے فراری کی ترغیب دے دی تو میں بہت خوش ہوں گا۔ لیکن تاوقتیکہ آپ اس کی صحت کا یقین نہ دلادیں گے میں ہرگز اس طرف راغب نہ ہوں گا۔ پس آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ میرے طرز استدلال سے آپ کا اطمینان ہوتا ہے یا نہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو آپ میرے سوالات کا جواب دینے میں کوشش کریں۔

قریطو:۔ میں ایسی ہی کوشش کروں گا۔

سقراط:۔ کیا یہ بات حق ہے کہ ہم کسی انسان کے ساتھ بے انصافی نہ کریں؟ کیا یہ قانون کے مطابق ہوگا کہ ایک شخص کے ساتھ بے انصافی کرنا تو جائز ہوگا اور دوسرے کے ساتھ بے انصافی کرنے کی ممانعت ہوگی؟ اور کیا یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے کہ کسی طرح کی بے انصافی بھی نہ نیکی ہے نہ دیانت داری جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں؟ یا وہ خیالات جو ہم پہلے رکھتے تھے چند روز میں بالکل غائب ہو گئے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ برسوں تک جو متین تقریریں ہم کرتے رہے ہیں وہ اب بچوں کی باتیں سمجھی جائیں۔ اور ہم اس بات کو محسوس تک نہ کریں؟ کیا جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں اُس پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے؟ اور جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ بھی حق بات ہے کہ ہر قسم کی بے انصافی اس کے لئے جو اس کا مرتکب ہو سخت بدنامی بلکہ مہلک ہوا کرتی ہے۔ لوگوں کا جو جی چاہے وہ کہیں۔ لیکن ہماری تقدیر نہ ایسی اچھی ہے۔ نہ کبھی ہوئی۔

قریطو:۔ یہ بالکل یقینی ہے۔

سقراط:۔ تو پھر ہمیں قلیل سے قلیل بے انصافی سے بھی بچنا چاہئے۔

قریطو:۔ یقیناً۔

سقراط:۔ چونکہ قلیل سے قلیل بے انصافی کرنے سے ہمیں بچنا چاہئے اس لئے اُن کے ساتھ بھی ہمیں بے انصافی نہ کرنی چاہئے جو انصاف نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اُسے لوگ قرین انصاف سمجھتے ہیں

قریطو:۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

سقراط:۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں کوئی بُرائی کرنی چاہئے۔ یا نہیں؟

قریطو:۔ بے شک۔ کوئی بُرائی نہ کرنی چاہئے۔

سقراط:۔ تو کیا انصاف ہوگا کہ بُرائی کے بدلے جیسا کہ عوام کا خیال ہے بُرائی کی جائے۔ یا ایسا کرنا خلاف انصاف ہے؟

قریطو:۔ یہ بات ہرگز انصاف کی نہ ہوگی۔

سقراط:۔ تو پھر سمجھنا چاہئے کہ کسی خلاف انصاف بات اور بُرائی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

قریطو:۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔

سقراط:۔ تو پھر ہم کو کم سے کم بُرائی یا بے انصافی کسی انسان کے ساتھ بھی نہ کرنی چاہئے۔ لیکن وہ جو جی چاہے ہمارے ساتھ کرے۔ مگر قریطو اس بات کی احتیاط رکھو کہ اس رعایت میں تم کوئی بات اپنے خیالات کے خلاف تو نہیں کرتے ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ بہت کم لوگ اس حد تک اس معاملے کو سوچیں گے۔ اور اس مسئلے میں جو لوگ مختلف خیالات رکھتے ہیں ان کے لئے متفق الرائے ہونا غیر ممکن ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ایک کا دوسرے کی رائے کی تحقیر

کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جسم کو بھی حقارت سے دیکھتا ہے۔ بس اس بات کو سوچ لو کہ اگر تم میری رائے سے اتفاق کرتے ہو تو ہمیں اس اصول پر اپنے دلائل کو قائم کرنا چاہیے کہ بُرائی کے بدلے ہم کبھی بُرائی نہ کریں۔ اور نہ اُن لوگوں کے ساتھ بے انصافی سے پیش آئیں جنھوں نے ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے۔ میں خود کسی دوسرے اصول کا پابند نہ ہوں گا۔ اب بتاؤ کہ تم نے اپنا خیال بدل دیا یا نہیں۔ اگر نہ بدلا ہو تو جو کچھ میں کہتا ہوں اُسے سُنو۔

قریطو:۔ فرمائیے۔ میں سنتا ہوں۔

سقراط:۔ اگر کسی شخص نے کوئی نیک وعدہ کیا ہے تو اس وعدے کا ایفا اس پر لازمی ہے۔ یا وعدہ خلافی؟

قریطو:۔ نہیں۔ اُسے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔

سقراط:۔ اگر میں یہاں سے اہل ایتھنز کی مرضی کے بغیر چلا گیا تو میں چند لوگوں کو نقصان پہنچاؤں گا۔ اور یہ لوگ ایسے ہوں گے جو نقصان اُٹھانے کے مستوجب نہ ہوں گے۔ تو کیا ہم ایسی صورت میں اس اصول کے پابند رہ سکیں گے کہ ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے؟

قریطو:۔ میں اس کا کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔

سقراط:۔ ذرا مہربانی کرکے سمجھو کہ اگر ہم نے یہاں سے بھاگنے یا چلے جانے کی (جو کچھ بھی تم اسے کہو) تیاری کی اور فرض کرو کہ قانون اور جمہور سب مل کر ہمارے مقابلے پر آئے اور وہ کہنے لگیں "سقراط۔ تم یہ کیا کرتے ہو۔ جو کچھ تم نے اس وقت سوچا ہے اگر اس پر تمھارا عمل ہوا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم قطعی طور پر ریاست اور ریاست کے قوانین کو مٹاتے ہو۔ کیا تم خیال کرسکتے ہو کہ کوئی شہر جہاں سے قانون کی طاقت زائل ہوچکی ہے یا وہاں کے غیر سرکاری لوگ اس قانون کو جس طرح چاہیں مروڑ تروڑ سکتے ہیں اور اسے پامال کرسکتے ہیں تو کیا وہ شہر قائم اور سلامت رہ سکتا ہے" قریطو بتاؤ کہ اس سوال کا یا ایسے ہی اور سوالوں کا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں؟ قانون جس کے بموجب کوئی حکم نافذ ہوچکا ہے اُسے توڑا جائے تو کوئی خطیب اس کے لئے کیا عذر پیش کرسکتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم یہ عذر پیش کرسکتے ہیں کہ جمہوری حکومت نے فیصلہ غلط کیا ہے۔ اور حکومت نے ہم پر یہ غیر منصفانہ حکم سزا جاری کیا ہے

قریطو:۔ بلاشبہ یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے۔

سقراط:۔ اچھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قوانین اس عذر کے متعلق کیا کہیں گے۔ وہ کہیں گے کہ "سقراط کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تم ہم سے اس امر میں متفق ہوئے کہ تمھارا مقدمہ سب کے سامنے کیا جائے۔" اگر ہم نے ان کے اس جواب پر حیرت بھی ظاہر کی تو وہ کہیں گے "سقراط۔ حیرت نہ کرو۔ بلکہ ہماری بات کا جواب دو۔ کیونکہ تم تو خود سوال جواب۔ جرح و استدلال میں اُستاد ہو۔ پھر بتاؤ کہ جمہوری حکومت سے یا ہم سے تمھیں شکایت کرنے کا کیا موقع رہتا ہے؟ تم اس قدر شوق سے اس حکومت کو تباہ کرنے کے درپے ہوتے ہو۔ کیا تمھارے دنیا میں آنے کا باعث ہم نہیں ہوئے؟ یہ ہم تھے جن کی اجازت سے تمھارے باپ نے اُس عورت سے شادی کی جس سے تم پیدا ہوئے۔ شادی کے متعلق جو قوانین جاری ہیں اُن میں تم ہمارا کیا قصور بتا سکتے ہو؟" میں اس کا یہی جواب دوں گا کہ میں ان میں ان کا کوئی قصور نہیں بتا سکتا۔ پھر وہ پوچھیں گے کہ بچوں کے کھانے پینے اور اُن کی پرورش یا تمھاری تعلیم کے لئے جو قواعد ہیں یہ قواعد اور قوانین انصاف پر مبنی نہیں ہیں؟ جب کہ ہم نے انھیں وضع کیا ہے۔ اور جن سے کہ ہم نے تمھارے باپ پر یہ احسان کیا کہ وہ تمھیں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم اور جسمانی تربیت دے سکے" میں اس کا یہی جواب دوں گا کہ وہ قواعد نہایت انصاف کے تھے۔ پھر وہ کہیں گے۔ جب کہ تم ہمارے زیر اثر پیدا ہوئے۔ پرورش۔ تعلیم و تربیت پائی تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم ہمارے پالے پوسے بچے نہیں ہو؟ اور تم پر ہماری اطاعت ایسی ہی واجب ہے جیسے کہ اپنے باپ کی فرمانبرداری ہے۔ لیکن اگر تم اپنے خیال میں وہی اختیارات رکھتے ہو جو ہم رکھتے ہیں۔ تو پھر تم ہمارے حکم کو کیسے ٹال سکتے ہو؟ چونکہ تم اپنے باپ یا استاد کے مقابلہ میں اس قسم کا اختیار نہیں رکھتے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے اور نقصان کا بدلہ نقصان سے کرو تو پھر تم کیسے اپنے ملک اور قوانین کے خلاف کسی اختیار رکھنے کے مستحق ہوسکتے ہو؟ اور یہ اختیار بھی اس درجہ کا کہ جب ہم تمھیں مار ڈالنے کی کوشش کریں تو تم ہمارے مزاحم ہوکر اپنے ملک اور اپنے قوانین کو تباہ کرو۔ کیا تم اپنے اس فعل کو انصاف کہہ سکتے ہو؟ بالخصوص تم جو ہمیشہ نیکی کا وعظ کہتے رہتے ہو۔ اور نیکی کے پابند بھی ہو۔ کیا تم اس بات سے لاعلم ہو کہ تمھارا یہ ملک بڑی عزت والا ہے۔ خدا۔ انسان تمھارے والدین اور تمھارے عزیزوں کی نظر میں نہایت واجب التعظیم

ہے۔ یہ بات کہ تمھیں اپنے ملک کی عزت کرنی چاہیئے اُس کی اطاعت کو بھی تم پر لازم کر دیتی ہے۔ اور تمہارا فرض ہوتا ہے کہ ماں باپ سے جو غصّے میں ہو اس کی عزت زیادہ کرو۔ یا تو تم اپنے نیک مشوروں سے اُسے اپنا بناؤ۔ یا اُس کے حکموں کو مانو۔ اور بغیر شکایت کے جو سزا وہ تمھیں دے اُسے بھگتو۔ اگر وہ حکم دے کہ تمھیں تازیانے لگائے جائیں۔ یا تمھیں لڑائیوں پر جا کر مرجانا چاہیئے، یا وہ تمھیں لڑائی پر روانہ کرے کہ وہاں تم اپنا خون بہاؤ تو بغیر چوں وچرا کے تمھیں وہی کرنا چاہیئے۔ یہ نہیں چاہیئے کہ جُوا اپنی گردن سے اُتار پھینکو۔ یا تذبذب وتامل کرو۔ یا اپنی جگہ سے ٹل جاؤ۔ غرض چاہے لشکر میں ہو۔ چاہے قید خانے میں یا کہیں اور تمھیں ہر حال میں اپنے ملک کے قواعد وقوانین کی پابندی کرنی یا اپنے صلاح ومشورے سے ملک کی مدد کرنی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ماں باپ کی نافرمانی کوئی جرم ہے تو پھر اپنے ملک پر ناواجب طریقے سے دباؤ ڈالنا اس سے بھی بدتر جرم ہے۔" قریطو۔ تم ہی بتاؤ کہ ان باتوں کا جواب ہم کیا دے سکتے ہیں؟ کیا ہم وضع شدہ قوانین کی صحت وسچائی کو تسلیم نہ کریں؟

قریطو:۔ اُنھیں ہم کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟

سقراط:۔ اچھا پھر وہ ہم سے کہیں گے کہ " سقراط۔ تم دیکھتے ہو کہ وہ کیا وجہ ہے جس سے ہم تمھاری یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کو انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور باوجود اس کے ہم اطاعت کے لئے کوئی سختی یا تشدد اختیار نہیں کرتے۔ ہر شخص کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ یا تو وہ اپنے مشوروں اور التجاؤں سے ہمیں اپنا بنائے یا ہمارے احکام کو بجالائے۔ لیکن وہ یہ کرتا ہے نہ وہ۔ سقراط ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ قصد تم نے اس وقت کیا ہے اگر اس پر تمھارا عمل بھی ہوا۔ تو پھر تم پر یہ الزام بہ نسبت ایک عام آدمی کے جو ایسی بے انصافی کا مرتکب پایا گیا ہو زیادہ سختی اور شدت سے عائد کئے جا سکتے ہیں"۔ اگر میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بلا شبہ یہ کہہ کر وہ میرا منہ بند کر دیں گے کہ " سقراط۔ تم نے قطعی طور پر ان کل شرائط کو تسلیم کیا تھا اور وہ یہ بھی کہیں گے کہ" ہمارے پاس کافی ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ تم ہم سے اور حکومت جمہور سے ہمیشہ خوش رہے کیونکہ اگر یہ شہر دوسرے شہروں کے مقابلہ میں تمھاری طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو کبھی تم اور اثھنزیوں کی طرح یہاں نہ رہتے۔ سیر تماشے ہمیشہ ہوتے تھے۔ مگر تم شہر سے باہر نہ جاتے تھے۔ بجز ایک مرتبہ کے کہ استمس کے کھیلوں کو دیکھنے گئے تھے اور کبھی تم شہر سے باہر نہ نکلے۔ اور لوگوں کی طرح تم نے بحری سفر بھی نہیں کیا۔ دوسرے شہروں کے دیکھنے کا شوق کبھی تمھیں نہیں ہوا۔ اور نہ وہاں کے قوانین کو معلوم کرنے کی آرزو ہوئی۔ کیونکہ تم ہم سب میں اور ہماری جمہوری حکومت میں راضی خوشی رہتے تھے۔ علاوہ اس کے تمہارا صاحب اولاد ہونا بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ تم اس شہر کو پسند کرتے تھے۔ لیکن اگر اس اخیر موقع پر تمہیں جلا وطنی کا حکم دیا جاتا تو تم حکومت کی اجازت سے وہی کرتے جو اب بغیر اس کی اجازت کے تم کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم ایسے عالی حوصلہ اور موت سے بے پرواہ تھے کہ خود کہہ کر تم نے موت کو جلا وطنی پر ترجیح دی تو کیا اب اپنے کہے کا بھی تمھیں مطلق لحاظ نہیں۔ اور تمھیں اپنے شہر کے قوانین کا بھی کچھ خیال نہیں؟ کیونکہ تم نے اس کے قوانین کے برخلاف کارروائی کرنی چاہی۔ تمھارا حال تو اس وقت ایک کمینے غلام کا سا ہو رہا ہے کہ تم اپنے معاہدے کے خلاف جس پر تم خود دستخط کر چکے ہو یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو۔ اس معاہدے سے تم شہر کے قواعد وقوانین کی پابندی کے ساتھ یہاں رہنا منظور کر چکے ہو۔ پس مہربانی کرکے ہماری ان باتوں کا جواب دو۔" کیا تمہارا یہ کہنا سچ نہیں ہے کہ تم نے اس معاہدے کے مطابق یہاں آباد ہونا منظور نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمارے قواعد وقوانین پر عمل رکھنا بھی منظور کیا تھا۔" قریطو اب تم ہی بتاؤ کہ ان باتوں کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟ اور بجز اس کے کیا چارہ ہوگا کہ ہم ان کی سب باتوں کو درست اور صحیح بتائیں

قریطو:۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟

سقراط:۔ پھر وہ یہ بھی پوچھیں گے کہ کیا تمھارا یہ فعل اس معاہدے اور اس کی جملہ شرائط کے خلاف نہیں ہے جس پر بلا جبر یا محض اتفاقیہ طور پر بغیر کافی وقت ملے تم نے اپنے دستخط کئے تھے۔ ستر برس کا زمانہ تمھارے پاس تھا۔ یہ اتنی بڑی مدت تھی کہ اگر تم ہم سے ناراض ہوتے یا ہمارے قوانین کے انصاف پہ مبنی ہونے کا یقین نہ رکھتے تو ہم سے کبھی کے پھر جاتے۔ نہ تم نے لکدیمون کو پسند کیا۔ نہ اقریطش کو جہاں کی حکومتوں کی سب تعریف کرتے ہیں۔ نہ تم نے یونان کے اور شہروں میں سے کسی شہر کو یا غیر ملکوں میں سے کسی ملک کو اپنی سکونت کے لئے پسند کیا۔ شاید لنگڑے اور اندھے بھی تم سے زیادہ اس شہر سے باہر گئے ہوں گے۔ یہ کافی ثبوت ہے کہ تم اس شہر سے خوش تھے۔ اگر اس شہر کے قوانین اچھے نہ ہوتے تو کون ایسا

کر سکتا تھا۔ اس پر بھی تم اپنے معاہدے سے پھرتے ہو۔ لیکن سقراط اگر تم ہماری نصیحت مانوگے تو ہم یہی کہیں گے کہ اپنے معاہدے پر قائم رہو۔ اور یہاں سے نکل کر اپنی ہنسی نہ اڑواؤ۔ اور مہربانی کر کے اس بات پر بھی غور کرو کہ جو تدبیر سوچی ہے اُس پر عمل کرنے سے تمھارا یا تمھارے دوستوں کا کیا نفع ہوگا۔ ضروری ہے کہ تمھارے دوست یا تو اپنے تئیں سخت خطروں میں ڈالیں گے۔ یا وہ ملک بدر کر دیئے جائیں گے۔ یا ان کی جائیداد سب ضبط سرکار ہو جائے گی۔ رہے تم تو اگر کسی پڑوس کے شہر میں جا کر آباد ہو گئے جیسے کہ تھیبز اور میگارا کے شہر ہیں جہاں کی حکومتوں کے اچھا ہونے میں شبہ ہے تو وہاں کے لوگ تمھیں دشمن سمجھیں گے۔ جو لوگ اپنے ملک سے محبت رکھتے ہیں وہ تمھیں قوانین کا مخرب اور بگاڑنے والا کہیں گے۔ علاوہ اس کے یہاں کے جن لوگوں نے تمھیں سزا دی ہے اُن کو بہت اچھا سمجھنے لگیں گے۔ اور اُن کے دلوں میں ایسے لوگوں کی طرف سے اچھے خیالات مضبوط ہو جائیں گے۔ اور جو حکم سزا تمھیں دیا گیا ہے تمھیں اسے اچھا سمجھنے کی تحریک ہوگی۔ کیونکہ جو شخص قوانین کا مخرب ہو اس کی نسبت جلد گمان ہو سکتا ہے کہ وہ نوجوانوں اور دیہات کے لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ تو پھر کیا آپ ان اچھی حکومت والے شہروں سے۔ اور وہاں کے انصاف پسند لوگوں کے مجمعوں اور مجلسوں سے اپنے کو علیحدہ رکھ سکیں گے۔ اگر آپ علیحدہ رہے تو پھر وہاں آپ کے گذر اوقات کی کیا صورت ہوگی؟ کیا آپ وہاں بھی اسی طرح وعظ و نصیحت اور عدل اور قوانین کی تعظیم کرانے میں مصروف ہوں گے جیسے کہ آپ یہاں کیا کرتے تھے ذرا خیال کیجیئے کہ آپ کے یہی پند و نصائح ان کے کانوں کو کیسے مضحکہ خیز معلوم ہوں گے۔ آپ کو اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے یہ نہیں ہے کہ آپ ان اچھے شہروں کو چھوڑ کر تھسلی میں قریطو کے دوستوں کے پاس جا رہیں۔ لیکن وہاں کا نظم حکومت ناقص ہے۔ اور وہاں اوباشی اور عیاشی بڑھی ہوئی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ وہاں کے لوگ آپ سے پوچھیں کہ ایتھنز کے قید خانے سے آپ کونسا بھیس بدل کر بھاگے تھے؟ کیا بدن کو چیتھڑے لگے تھے یا کسی جانور کی کھال پہن رکھی تھی یا کوئی اور شکل یا بھیس بدل رکھا تھا جیسے کہ اکثر فراری اختیار کیا کرتے ہیں؟ وہاں ہر شخص یہ کہنے کو موجود ہو جائے گا کہ "یہ بڈھا جس کے پاس زندہ رہنے کو بہت کم وقت باقی ہے وہ جیتے رہنے کا اتنا شائق ہے کہ نہایت

متبرک قوانین کو پامال کر کے اُن سے اپنی جان بچائی ہے۔ غرض اس قسم کے لغو قصے اور کہانیاں تمہارے خلاف مشہور ہو کر تمھارا موجب آزار ہوں گی۔ اور اگر تم نے اس کی شکایت کی تو اور ہزاروں قصے گھڑ کر تمھیں ستائیں اور دق کریں گے جو تم جیسے نیک آدمی کی نسبت کہنے ہرگز روا نہ ہوں گے۔ تمہارا کل وقت اسی تکلیف اور ندامت میں کٹے گا۔ ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ سب لوگ تم پر مہربان ہو جائیں مگر سب کا غلام اور زیر دست بننا پڑے گا اس کے سوا اور کیا کر سکو گے۔ تھسلی میں رات دن ضیافتیں کھانی پڑیں گی۔ اور لوگ سمجھیں گے کہ انھی ضیافتوں اور تکلفات کے لئے تم اپنے شہر سے نکلے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ عدل اور نیکی پر جو تقریریں تم یہاں کیا کرتے تھے وہ کہاں جائیں گی؟ اس کے علاوہ اگر تم اپنے بچوں کی خاطر جان بچانی چاہتے ہو تو وہاں تم اپنے بچوں کی پرورش نہ کر سکو گے۔ اور بجز اس کے کہ وہاں تمہاری اولاد غیر اور اجنبی سمجھی جائے اور کوئی خدمت تم اُس کی نہ کر سکو گے اور اگر تم نے اپنے بچوں کو یہیں چھوڑا تو اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری عدم موجودگی میں تمھارے دوست ان کی غور پرداخت بہتر طریقہ پر کر سکتے ہیں تو کیا تمھارے مرنے پر تمھارے دوست اُن کے ویسے ہی خبر گیراں نہیں رہ سکتے جیسے کہ ایتھنز سے تمھاری عدم موجودگی میں رہ سکتے ہیں۔ سقراط سمجھ لو کہ جو لوگ اپنے کو تمہارا دوست کہتے ہیں وہ تمہاری اولاد کا خیال ہر حال میں ایک ہی طریقہ پر رکھ سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سقراط۔ ہم جو دلائل پیش کرتے ہیں انھیں مانو۔ یعنی اُن لوگوں کی نصیحت کو مانو جنھوں نے تمھیں پرورش کیا ہے عدل و انصاف کے مقابلے میں نہ اولاد کو۔ نہ اپنی جان کو یا کسی اور چیز کو جو تمھاری ہو تو لو۔ اور اس وقت کا خیال ذہن میں رکھو جبکہ پلوٹو کی عدالت میں حاضر کیے جاؤ گے۔ اور عدالت کے رکنوں کے سامنے تمھیں اپنی صفائی کرنی ہوگی۔ دیکھو۔ کسی دھوکے فریب میں نہ آجانا۔ اگر تم نے وہ کیا جو اس وقت سوچا ہے تو اس میں نہ اپنے مقدمے کو سنوارو گے اور نہ اپنے فوق کی کوئی بھلائی کرو گے۔ اور تم نہ اِس عالم میں نہ دوسرے عالم میں انصاف کو ترقی دو گے اور نہ اُسے بزرگی اور تقدس حاصل کراؤ گے۔ لیکن اگر تم نے ہمت اور بہادری سے جان دی تو پھر تمھاری موت کی وجہ قوانین نہیں بلکہ انسان سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر تم قید خانے سے بھاگ گئے اور اس بے عزتی سے اپنے دشمنوں کی بے انصافی کا جواب کیا کہ یک لخت

اپنے ایمان سے پھر گئے اور اپنے معاہدے کو توڑ دیا اور اتنے بے گناہوں کو یعنی اپنے کو۔ اپنے دوستوں کو اور ان کے ساتھ ہم سب کو بھی نقصان پہنچایا تو اس پر بھی جب تک تم زندہ ہو تو ملک کے قوانین اور نہ صرف ملک کے قوانین بلکہ اس کے مثل وہ قوانین بھی جو دوسرے عالم میں جاری اور ساری ہیں سب تمھارے دشمن ہو جائیں گے۔ اور جب تم دوسرے عالم میں پہنچو گے تو کوئی تمھارا خیر مقدم خوشی سے نہ کرے گا۔ کیونکہ وہاں علم ہوگا کہ تم نے دنیا کے قوانین کو توڑنا اور خراب کرنا چاہا تھا۔ پس جو نصیحت ہم تمھیں کرتے ہیں اُسے قریطو کی صلاح پر ترجیح دو۔"

اے میرے بہت پیارے قریطو۔ یہ باتیں جو میں نے ابھی کہی ہیں میں انھیں اس طرح سنتا ہوں جیسے سیبلی کے کاہن اپنے خیال میں جھانجوں اور بانسریوں کی آواز سنا کرتے ہیں یہ باتیں جو میں نے ابھی کہی ہیں میرے کانوں میں ایسی بسی ہیں کہ کوئی اور آواز وہ مجھے سننے نہیں دیتیں۔ اور اگر تم کچھ بات کرنی چاہو گے کہ میں اُن آوازوں کو نہ سن سکوں تو یہ بے کار ہوگا۔ لیکن اگر تمھیں اپنی کامیابی کی امید ہو تو میں تمھیں روکتا ہوں۔

قریطو:۔ میں اب کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سقراط:۔ تو پھر خاموش رہو۔ ہمیں بڑی ہمت اور حوصلے سے اس کام کو انجام دینا چاہیئے۔ کیونکہ خدا مجھے بُلا رہا ہے۔ اور یہی راستہ وہ اپنے پاس پہنچنے کا بتا رہا ہے۔

محمد عنایت اللہ

طاقت

طاقت سے ثبات ہے خُدا کی سوگند
طاقت سے نجات ہے خدا کی سوگند

طاقت ہی حیاتِ دہر کا مبدء ہے
طاقت ہی حیات ہے خُدا کی سوگند

طاقت ہی سے ابتدا ہے۔ طاقت کی قسم
طاقت ہی پر انتہا ہے، طاقت کی قسم

طاقت ہی کے آگے سب کے سر جُھکتے ہیں
طاقت ہی فقط خدا ہے، طاقت کی قسم

آزاد انصاری